فقہ اسلامی میں مقاصد شریعت کے مدارج

The Stages of Objectives of Islamic Shari'ah

ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن*

محمد عثمان**

ABSTRACT

Al-Maqasid (the purposes) is a guide to Islam written by Imam Shatibi in his book "Al-Mowafaq'at". It covers purposes of Islamic faith, Zakat, pilgrimage etc. Maqasid al-Shari'ah is a system of values that could contribute to a desired and sound application of the Shari'ah." This concept has been employed as a legal hermeneutical tool in pre-modern Islamic law at least since 3 H.D. It is based on the idea that Islamic law is purposive in nature, that is, to mean that the law serves particular purposes (e.g., promoting people's benefit and welfare and protecting them from harm) that are either explicitly present in or can be derived from the fountainheads of the sources of Islamic law, namely, the Quran & the Sunnah. Maqasid al-Sharia is also an umbrella term that includes many other concepts that have been closely linked to it in the premodern Islamic tradition, most notably the idea of public interests and unrestricted interests (al-Masalih al-Mursala), as well as other principles such as *istihsan* (juridical preference), istis'hab (presumption of continuity), and avoidance of mischief (all of which are considered to be directives in accordance with Allah's will). Spiritual Principles include: the free right and duty to be aware of and to worship Allah and to search for ultimate truth and justice; the duty to respect the human person, known as the natural principle of personalism; the duty to respect the coherent order of all creation, i.e. ecology and environment; and the duty to respect human community based on the sacredness of each of its members.

Keywords: "Al-Mowafaq'at", Imam Shatibi, Al-Maqasid (the purposes), Islamic law, Al-Shari'ah, Rights, Public Interests

---

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، انجینئرنگ یونیورسٹی، لاہور

* پی ایچ ڈی سکالر، انجینئرنگ یونیورسٹی، لاہور

اصولِ فقہ کے ذیلی مباحث میں ایک عنوان **"احکامِ شریعت کے مقاصد اور اس کے مدارج"** کا بھی آتا ہے، موضوع کی اہمیت اور طبعی ترتیب کا تقاضا تھا کہ اسے تمام اصولی موضوعات ومباحث کی تمہید قرار دیا جاتا، یا کم از کم اصولِ اربعہ، کتاب، سنت، اجماع اور قیاس میں سے اصل رابع، یعنی قیاس کے مباحث کی ابتداء اس سے ہوتی۔ تاکہ وہ مقاصد ومصالح جو شرعی احکام میں ملحوظ رکھے گئے ہیں، ان پر روشنی پہلے پڑتی، اور متعلقہ مسائل کو سمجھنے میں اس سے مدد ملتی۔ لیکن اصولِ فقہ کے ماہرین اس موضوع کو ایک ذیلی وضمنی بحث کے طور پر غالباً اس لیے ذکر کرتے ہیں کہ نصوص میں ان مقاصد کا ذکر یکجا طور پر اور صراحت کے ساتھ کہیں نہیں ملتا۔ حالانکہ ان کا معتبر ہونا اور احکامِ شریعت کا ان کے گرد دائر ہونا ایک ایسی حقیقت ہے، جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ بات نصوص یعنی قرآنی آیات واحادیث کے استقراء اور تتبع سے ثابت ہے۔

علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الموافقات" (اصولِ فقہ اور اسرارِ شریعت کی ایک جامع کتاب) میں اس موضوع پر بہت زیادہ تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے خود ہی یہ سوال قائم کیا ہے کہ جب یہ حقیقت ہے کہ احکامِ شریعت میں مقاصد ومصالح کا لحاظ رکھا گیا ہے اور تمام احکام ضروری، حاجیاتی اور تحسینی مصالح کے گرد دائر ہیں، تو پھر اس کا ثبوت تو قطعی دلیل سے ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہ مقاصد تو شریعت کی روح اور بنیادی اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ دراصل شرعی احکام پر تفصیلی نظر ڈالنے سے ان مقاصد کے ملحوظ ہونے کا یقین اسی طرح ہوتا ہے، جس طرح کہ لوگوں کو حاتم کی سخاوت کا یقین ہے، شرعی نصوص کے عموم وخصوص، مطلق ومقید اور دوسرے قرائن سب اس کی تائید کرتے ہیں کہ شریعت میں ان مقاصد کی رعایت رکھی گئی ہے۔ اور تمام تر شرعی احکام کی بنیاد انہیں مقاصد اور کلیات واصول پر ہے اور یہ علم استقرائی ہونے کے باوجود اسی طرح یقینی ہے، جس طرح کہ قدرِ مشترک کے تواتر سے یقینی علم حاصل ہوا کرتا ہے۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ اس کے ثبوت میں ایک نہیں، بلکہ بہت سے دلائل ہیں۔ اور ان مقاصد کی واقعیت ہر شک وشبہہ سے بالاتر ہے۔[1]

انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل کی دولت سے نوازا ہے اور اس کا یہ امتیاز ہی اس کی تکلیف کا مدار اور شرعی احکام کا مخاطب ومکلف ہونے کی بنیاد ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ باری تعالیٰ حکیم ہے اور حکیم کا کوئی

فعل حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا اور وہ رؤف ورحیم بھی ہے، اس لیے اس کے ہر فرمان میں انسان کی سعادت اور اس کی بھلائی بھی ملحوظ رکھی گئی ہے، شریعت کے عمومی نصوص سے اس کی نشاندہی ہوتی ہے، حضور اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿ وَمَآ أَرۡسَلۡنَٰكَ إِلَّا رَحۡمَةٗ لِّلۡعَٰلَمِينَ ﴾ (۲)

(ہم نے آپ کو ساری کائنات کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔)

عام دینی احکام کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿مَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيَجۡعَلَ عَلَيۡكُم مِّنۡ حَرَجٖ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمۡ وَلِيُتِمَّ نِعۡمَتَهُۥ عَلَيۡكُمۡ ﴾ (۳)

(اللہ یہ نہیں چاہتا کہ دین میں تم پر تنگی پیدا کرے۔ لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کرے اور تم پر اپنی نعمتوں کو مکمل کردے۔)

نماز کے بارے میں کہا گیا:

﴿إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ تَنۡهَىٰ عَنِ ٱلۡفَحۡشَآءِ وَٱلۡمُنكَرِۗ ﴾ (۴)

(بے شک نماز بے حیائی کی باتوں اور منکرات سے روکتی ہے۔)

روزہ کی فرضیت کے مقصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿كُتِبَ عَلَيۡكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ ﴾ (۵)

(تم پر روزہ اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح کہ تم سے پہلے لوگوں پر۔ تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔)

قصاص کی مشروعیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿ وَلَكُمۡ فِي ٱلۡقِصَاصِ حَيَوٰةٞ يَٰٓأُوْلِي ٱلۡأَلۡبَٰبِ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ ﴾ (۶)

(اور تمھارے لیے قصاص میں زندگی ہے، اے عقل والو!)

یہ اور اس طرح کی سینکڑوں آیات اور احادیث ایسی ہیں، جن میں واضح طور پر ان مقاصد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جو شرعی احکام میں ملحوظ رکھے گئے ہیں اور ان ''مصالح'' کی نشاندہی کی گئی ہے، جن

کاروبہ عمل لانا ان احکام کا مقصود ہے "مقاصد شریعت" کا جاننا ہر شخص کے لیے مفید ہے، شرعی حکم کے ساتھ اگر اس کی مصلحت وحکمت بھی معلوم ہو تو آدمی کے یقین میں اضافہ اور ایمان میں تازگی پیدا ہوتی ہے اور علم الیقین کے بعد حق الیقین کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام غزالی، علامہ عزالدین، ابن عبد السلام، علامہ ابن القیم، علامہ شاطبی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہم نے اسرار شریعت کو اپنا موضوع بنایا اور شرعی احکام کی حکمت سے روشناس کرنے کی کوشش کی ہے۔

علمائے مجتہدین کے لیے اصول وکلیات پر نظر اور شریعت کے مقاصد کو جاننا اور بھی ضروری ہے۔ تاکہ وہ نئے مسائل میں ان مقاصد سے راہنمائی حاصل کر سکیں اور ان نصوص میں جو بظاہر متعارض نظر آتی ہوں، تطبیق دے سکیں اور کسی جزئیہ کا حکم تلاش کرنے میں شریعت کے عمومی مصالح اور مزاج ومقاصد کو فراموش کر کے غلطی کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں۔ جہاں تک اس فرسودہ اشکال کا تعلق ہے کہ باری تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض ہیں یا نہیں؟ اور ان مقاصد ومصالح پر زور دینے میں خدا کی ذات کی طرف نقص کا انتساب تو لازم نہیں آئے گا؟ تو یہ بحث اصولِ فقہ کی نہیں، بلکہ علمِ کلام کی ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے گو کہ یہ دعویٰ کیا ہے کہ باری تعالیٰ کے احکام بھی اسی طرح "معلل بالعلۃ" نہیں ہیں، جس طرح کہ اس کے افعال معلل بالاغراض نہیں ہیں۔ لیکن ان کی یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے اور جیسا کہ محقق ابن الہمام نے لکھا ہے کہ اکثر فقہائے متاخرین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں بندوں کے مصالح کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے[۷]۔

اشاعرہ اور ارباب ظواہر اگرچہ اس کے قائل ہیں کہ باری تعالیٰ ایسا حکم دے سکتا ہے جس کی کوئی مصلحت نہ ہو۔ لیکن وہ بھی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ عملاً جو احکام دیے گئے ہیں، ان میں مصلحت پائی جاتی ہے، احناف اور شوافع میں سے جو لوگ مصالح کو ہی احکام کی علت قرار دیتے ہیں، وہ اس کی توجیہ کرتے ہیں کہ علت سے مراد حکم کی علت ہے، ایسی علت نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کو اس پر ابھارنے والی ہو کہ وہ یہی حکم دے، دوسرا نہ دے۔

جن حضرات نے مصالح کو ہی علت قرار دیا ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حق میں رحیم ہے، وہ شر وفساد کو دور کرتا اور بندوں کی راحت کے لیے حرج اور تنگی کے اسباب کو ختم کرتا ہے، اس لیے اس کا حکم مصلحت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ حاصل یہ ہے کہ جس طرح یہ بات زیبا نہیں ہے کہ

اللہ تعالیٰ کے اوپر کوئی بات لازم وواجب کی جائے۔ اسی طرح یہ بات بھی نامناسب ہے کہ اس کے فعل کو بے مقصد اور عبث قرار دیا جائے۔ چنانچہ معتزلہ اور ارباب ظواہر دونوں ہی افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ اور صحیح نقطہ نظر وہی ہے جس کی تائید محقق ابن الہام رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے فقہاء رحمۃ اللہ علیہم نے کی ہے، علامہ انور شاہ کشمیری فرمایا کرتے تھے کہ باری تعالیٰ کے افعال کو معلل بالاغراض کے بجائے معلل بالغایات کہنا چاہئے۔ فیض الباری کے مقدمہ میں شاہ صاحب کے نقطہ نظر کی ترجمانی ان لفظوں میں کی گئی ہے:

> ذكرالشيخ ابن الهمام في التحرير:أن الفقهاء والمحدثين أجمعوا على أن افعاله تعالى معللة بالأغراض ولادخل فيه للإستكمال فإن كماليته هى التى استوجبت أن ترتب على أفعاله تلك الأغراض فذاته تعالى لاتخلو في مرتبة من المراتب عن الكمال والصفات من فروع الذات كما يقول ابن الهمام وهو تعبير بديع والأنسب عندى أن تترك لفظ الأغراض وأن افعاله تعالىٰ معللة بالغايات (۸)

> ”ابن ہمام نے تحریر میں ذکر کیا ہے کہ فقہا اور محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال تو اغراض و مقاصد کی علتوں کے ساتھ ہوتے ہیں، ان کی تکمیل کے مطالبے کا کوئی عمل دخل نہیں، اس کے کمال نے تو لازمی طور پر ان اغراض و مقاصد کو اُس کے افعال کے ساتھ جوڑ دیا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی فروع میں کسی بھی حالت میں کمال اور صفات سے خالی نہیں ہوتا، جیسا کہ ابن ہمام فرماتے ہیں، اور وہ تعبیرِ بدیع ہے، میرے نزدیک زیادہ مناسب یہ ہے کہ اغراض کا لفظ چھوڑ دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے افعال اغراض و مقاصد اور نتائج کی علتوں کے ساتھ ہی ہوتے ہیں۔“

اور یہاں ہماری گفتگو کا محور تکوینی افعال نہیں، بلکہ تشریعی احکام ہیں۔ بہر صورت لفظی نزاع خواہ جو بھی قائم کیا جائے، لیکن نصوص کی تعلیل ایک امر واقعہ ہے اور قیاس کے تمام تر مباحث اسی پر قائم ہیں۔ اسی لیے علمائے متاخرین نے تعلیل الاحکام کے موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، جن میں ڈاکٹر محمد مصطفی شلبی کی کتاب ”تعلیل الاحکام“ قابل ذکر ہے۔ وہ مصالح جن کو بروئے کار لانا شریعت میں ملحوظ رکھا گیا ہے، یا وہ مقاصد جن کو شرعی احکام سے شارع نے پورا کرنا چاہا ہے، علمائے اصول نے استقراء اور تتبع کے بعد ان کی تین قسمیں کی ہیں۔

مقاصد شریعت کے تین مدارج

مقاصد شریعت کے تین مدارج متعین کئے گئے ہیں:

۱۔ ضروری مصالح

۲۔ حاجیاتی مصالح

۳۔ تحسینی مصالح

۱) ضروری مصالح:

اس سے مراد وہ امور ہیں، جن پر انسان کی دینی اور دنیوی زندگی موقوف ہے۔ جن میں خلل واقع ہونے سے نہ صرف انسان کی دنیوی زندگی فساد اور انتشار کا شکار ہوتی ہے، بلکہ آخرت کی زندگی بھی بگڑتی ہے اور ثواب وراحت کے بجائے آدمی عذاب ومصیبت کا مستحق بن جاتا ہے۔

ضروری مصالح کے ذیل میں پانچ چیزوں کی حفاظت شریعت کا مطمحِ نظر اور شرعی احکام کا مقصود ومدعا ہے۔ اور انہی پانچوں کلیات واصول کی حفاظت سے انسان کی دنیوی زندگی کی سلامتی بھی وابستہ ہے۔ اور آخرت میں فوزوفلاح اور سعادات وکامرانی بھی؛ اور وہ درجہ بدرجہ اس طرح ہیں:

۱۔ دین کی حفاظت

۲۔ جان کی حفاظت

۳۔ عقل کی حفاظت

۴۔ نسل کی حفاظت

۵۔ مال کی حفاظت

دین کی حفاظت: اللہ تعالیٰ نے انسان کی صلاح وفلاح کے لیے دین نازل کیا اور انسان کی قوت نظری اور عملی دونوں کی تکمیل کے لیے صحیح عقیدہ اور عبادت کی تلقین کی، اور یہ بات فرض کی کہ آدمی سچے دین سے وابستہ رہے اور دین کی حفاظت کی خاطر جہاد فرض کیا، غلط افکار وعقائد کی ترویج کی ممانعت کی، ارتداد کی سزا متعین کی اور دینِ حق سے پھر جانے پر عقوبت رکھی ہے۔ گو کہ اصولی حیثیت سے فکر وعقیدہ کی آزادی دی ہے۔ لیکن جب یہ آزادی دینِ حق کی راہ میں رکاوٹ بننے لگے، تو پھر فسادِ دین کے سدّباب کا حکم دیا۔ اسلام دین کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔

اسلام انسانی عقائد کو ایمان کے بنیادی ارکان کے ذریعہ دلوں میں پیوست کرتا ہے ،اور یہ عقائد کوئی موروثی یا تقلیدی نہیں، بلکہ معقول اور منطقی دلائل پر مبنی ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے آفاق و انفس کی ایسی کھلی نشانیاں بیان کی ہیں، جنہیں دیکھ کر ایک بندہ فطری طور پر اللہ کی ذات پر ایمان لانے پر مجبور ہوتا ہے اوراس کے قانون کا پابند ہو جاتا ہے۔ اس پابندی کے لیے اسلام بندے کو عبادات کا ایسا کورس دیتا ہے، جن کی بدولت ایمان میں استحکام پیدا ہوتا ہے اوراپنے خالق سے اس کا تعلق مضبوط ہوتا ہے۔اس کے بعد اسلام بندے کو مکلف کرتا ہے کہ وہ جس عقیدے پر ایمان لایا ہے اوراس کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزار رہا ہے اس کی طرف لوگوں کو دعوت بھی دے۔

اسلام کا دعوی ہے کہ یہی دین حق ہے۔اسلام کے علاوہ اور کوئی دین بندے سے قبول نہیں کیاجائے گا۔ دنیا کی درستگی اور آخرت کی کامیابی کے لیے اللہ کا اتارا ہوا یہ نظام حیات ہے، اس کے باوجود اسے اپنانے اور نہ اپنانے میں انسان کو اختیار دیا گیا۔ اسلام کسی پر اپنا عقیدہ کسی پر زبردستی تھوپنے کی اجازت نہیں دیتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَآ إِكْرَاهَ فِي ٱلدِّينِۖ ﴾ (۹)

(دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں۔)

یہ آیت کریمہ اس پس منظر میں نازل ہوئی کہ چند انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کی اولاد اب تک یہودی یاعیسائی دین پر تھی، انہوں نے اپنے بچوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا چاہا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی، جس میں انھیں مجبور کرنے سے منع کر دیا گیا۔ اسلام نے غیر مسلموں کو مذہبی آزادی ہی نہیں دی، بلکہ ان کے لیے ایسے قوانین دیئے، جن کے تناظر میں وہ اپنے مذہبی شعائر کو بہ احسن وخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ دین کے تحفظ کی خاطر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ غیر مسلموں کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہیں، مبادا کہ وہ جہالت کی بنیاد پر اللہ کو سب وشتم کا نشانہ بنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَا تَسُبُّواْ ٱلَّذِينَ يَدۡعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ فَيَسُبُّواْ ٱللَّهَ عَدۡوَۢا بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ﴾ (۱۰)

(اور (ایمان والو!) یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔)

لیکن یہ بھی سچائی ہے کہ جب کوئی پوری رغبت کے ساتھ اسلام قبول کرتا ہے، تو اس کے لیے اس بات کی گنجائش نہیں رہتی کہ پھر اس سے پھر جائے۔ یہ تو بہت بڑی غداری ہے، جب بادشاہ کے ساتھ غداری یا محکمہ افواج کے سربستہ رازوں کے افشا پر موت کی سزا دی جاسکتی ہے، تو جو اِنسان اللہ کے نازل کردہ قانون کا پابند بن کر پھر اس کی اطاعت کا قلادہ گردن سے نکال پھینکتا ہے، حالانکہ اسے اپنانے میں اسے اختیار تھا۔ تو ظاہر ہے، ایسے انسان کی سزا موت ہی ہونی چاہیے کہ وہ ایک تو خالق کائنات کے ساتھ غداری کررہاہے، تو دوسری طرف سماج میں فکری انتشار کا باعث اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کے لیے فتنے کا سبب بن رہاہے۔ اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ[11]

(جو مرتد ہو جائے اسے قتل کردو۔)

غرضیکہ اسلام دین حق ہونے کے باجود ہر مذہب کے ماننے والوں کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق چلنے کی اجازت دیتاہے، اس لیے یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اسلام دوسرے مذاہب کو برداشت نہیں کرتا۔ سچائی یہ ہے کہ اسلام ہر انسان کو مذہبی تحفظ فراہم کرتا ہے۔

جان کی حفاظت: اس کرۂ ارض پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور توالد و تناسل کے سلسلہ اور نسلِ انسانی کے وجود اور اس کی بقا اور استمرار کے لیے نکاح کو مشروع قرار دیا ہے، کھانا پانی اور لباس کی وہ مقدار جو جان کی حفاظت کے لیے ضروری ہو اُس کے استعمال کو ضروری قرار دیا، دوسری طرف انسانی جان کو پیش آنے والے خطرات سے باز رہنے کی تلقین کی ہے، خودکشی کو حرام کیا ہے، قتل نفس کی سزا رکھی ہے اور قصاص، دیت اور کفارہ وغیرہ متعین کئے ہیں، تاکہ انسانی جان کی حفاظت کی جاسکے۔

اسلام کی نظر میں ساری جانیں برابر تحفظ کا حق رکھتی ہیں، کھانا، پینا، لباس و پوشاک اور رہائش یہ انسانی زندگی کی بقاکے وسائل ہیں، اسلام انہیں اختیار کرنے کا حکم دیتاہے تاکہ جان کی حفاظت ہوسکے، بلکہ بسااوقات اسلامی حکومت زندگی کے یہ لوازمات فراہم کرنے کی پابند ٹھہرتی ہے، اسی طرح حکومت کی ذمہ داری ہے کہ جان کی حفاظت کے لیے قضاوعدالت، حفاظتی دستوں اور محکمہ افواج کا انتظام کرے۔ اسلام کو جان کی حفاظت اس قدر مطلوب ہے کہ دوسروں پر زیادتی کو حرام ٹھہراتاہے، چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ کسی فرد کے قتل ناحق کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیتاہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿أَنَّهُۥ مَن قَتَلَ نَفۡسَۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ أَوۡ فَسَادٖ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ ٱلنَّاسَ جَمِيعٗا وَمَنۡ أَحۡيَاهَا فَكَأَنَّمَآ أَحۡيَا ٱلنَّاسَ جَمِيعٗا﴾ (۱۲)

(جو کوئی کسی انسان کو جبکہ اس نے کسی کی جان نہ لی ہو یا زمین میں فساد برپا نہ کیا ہو، قتل کرے تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر ڈالا اور جو کوئی کسی ایک جان کو (ناحق قتل ہونے سے) بچائے تو گویا اس نے تمام انسانوں کی جان بچائی۔)

اور سنن کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا فِي غَيْرِ كُنْهِهِ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ. (۱۳)

(جس نے کسی معاہد (ذمی) کو بغیر کسی وجہِ جواز کے قتل کر دیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی۔)

ساری مخلوق اگر ایک مومن کے قتل میں شریک ہو جائے، تو سب کی سب جہنم کی حقدار ہو گی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

لَوْ أَنَّ أَهْلَ السَّمَاءِ، وَالْأَرْضِ اشْتَرَكُوا فِي دَمِ مُؤْمِنٍ لَأَكَبَّهُمُ اللَّهُ فِي النَّارِ (۱۴)

(اگر سارے آسمان اور زمین والے ایک مومن کے قتل میں شریک ہوں، تو سب کو اللہ جہنم میں اوندھے منہ ڈال دے گا۔)

اور اگر کسی نے کسی کو ناحق قتل کر دیا تو اسلام قصاص کے طور پر اسے بھی قتل کر دینے کا حکم دیتا ہے، کہ اگر قاتل کو مقتول کے بدلے قتل کر دیا جائے تو ہزاروں انسانوں کو ڈر لاحق ہو گا اور قتل کی جرأت نہ کر سکیں گے۔ اس طرح لوگوں کی جانیں محفوظ ہوں گی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَكُمۡ فِي ٱلۡقِصَاصِ حَيَوٰةٞ يَٰٓأُوْلِي ٱلۡأَلۡبَٰبِ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ﴾ (۱۵)

(عقل و خرد رکھنے والو! تمھارے لیے قصاص میں زندگی ہے امید ہے کہ تم بچ سکو۔)

اور اگر غلطی سے کسی کا قتل ہو جاتا ہے جسے "قتل خطا" کہتے ہیں، تو ایسی حالت میں مقتول کے ورثاء کے لیے دیت اور کفارہ طے کیا گیا ہے۔

عقل کی حفاظت: عقل اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمت ہے جو اِنسان کو بہت سی دوسری مخلوقات پر امتیاز بخشتی ہے اور وہی اس کے احکامِ شریعت کے مکلف ہونے کی بنا بھی ہے۔ شریعت نے عقل کی حفاظت کی تلقین کی ہے اور اس میں بالیدگی کے لیے علم کو ضروری قرار دیا ہے۔ اور ہر اس چیز سے روکا ہے، جو اِنسان کی عقل کو کمزور کرے، یا زائل کر کے جرم کا ارتکاب کرے۔ اس کی حد متعین کی ہے اور اس کے لیے کوڑوں کی سزا طے کی ہے۔ اسلام عقل کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔

عقل کی بدولت ہی انسان مکلف ٹھہرتا ہے، اسلام عقل سے کام لینے کی تاکید کرتا ہے، عقل کی مادی اور معنوی طریقے سے افزائش پر زور دیتا ہے۔ عقل کی مادی افزائش یہ ہے کہ بہترین اور صحت بخش غذا کا استعمال کیا جائے اور عقل کی معنوی افزائش یہ ہے کہ علم کے ذریعہ عقل میں وسعت پیدا کی جائے، اسلام نے عقل کو خرافات اور اوہام پرستی سے پاک کیا۔ کاہنوں، نجومیوں اور جوتشیوں کے چکروں سے آزادی عطا کی۔ پھر ہر اس کام کو حرام ٹھہرایا، جو انسانی عقل کو متاثر کرے۔ چنانچہ نشہ آور اشیاء کے استعمال پر پابندی لگادی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلۡخَمۡرُ وَٱلۡمَيۡسِرُ وَٱلۡأَنصَابُ وَٱلۡأَزۡلَٰمُ رِجۡسٞ مِّنۡ عَمَلِ ٱلشَّيۡطَٰنِ فَٱجۡتَنِبُوهُ ﴾ (۱۶)

(ایمان والو! بیشک، شراب، جوا، استھان اور پانسے کے تیر یہ سب شیطانی کام ہیں اس لیے ان سے بچو۔)

عربی میں "خمر" ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو عقل کو ڈھانپ لے، اس طرح اسلام نے تمام نشہ آور چیزوں کو حرام ٹھہرایا تا کہ عقل کی حفاظت ہو سکے۔ اور اس سلسلے میں ضابطہ یہ بیان کیا کہ کسی چیز کی حرمت کا اعتبار اس میں نشہ کے پائے جانے پر ہو گا، چاہے کم مقدار میں استعمال کرنے کی وجہ سے اس میں نشہ نہ بھی پایا جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ (۱۷)

(جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ لائے اس کی کم مقدار بھی حرام ہے۔)

اور اگر کوئی شراب پیتا ہے تو شریعت نے اس کے لیے بھی حد کی سزا مقرر کی ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شرابی کو اسّی کوڑے مارنے کا حکم صادر کیا تھا۔

نسل کی حفاظت: نسل انسانی کی حفاظت کی خاطر ایک طرف نکاح کو مشروع قرار دیا گیا ہے، تو دوسری طرف نسب کو اختلاط سے بچانے اور عداوت و دشمنی سے روکنے کے لیے زنا کو حرام قرار دیا ہے۔ اسی طرح حدّ قذف متعین کی، تاکہ معاشرہ میں بے حیائی کی باتیں نہ پھیلیں اور نسلِ انسانی شک و شبہ کا شکار نہ ہو اور انسانی جان کی طرح اس کی نسل بھی محفوظ رہے۔

نسب کا مفہوم: نسب کا لغوی مطلب "باپ کی طرف منسوب" کرنا ہے۔ اصطلاحی تعریف یہ ہے:

الْقَرَابَةُ وَهِيَ الاِتِّصَال بَيْنَ إِنْسَانَيْنِ بِالاِشْتِرَاكِ فِي وِلاَدَةٍ قَرِيبَةٍ أَوْ بَعِيدَةٍ[۱۸]

(اس سے مراد قرابت ہے اور قرابت دو انسانوں کے مابین پیدائشی تعلق کو کہتے ہیں خواہ وہ تعلق قریب کا ہو یا دُور کا۔)

جواہر الاِکلیل میں ہے کہ نسب کا لفظ "معین والد کی طرف منسوب" کرنے پر بولا جاتا ہے۔[۱۹]

نسب صرف 'باپ' کے لئے: قرآنِ کریم میں اس بارے میں صریح حکم آیا ہے:

﴿ ٱدۡعُوهُمۡ لِأٓبَآئِهِمۡ هُوَ أَقۡسَطُ عِندَ ٱللَّهِۚ فَإِن لَّمۡ تَعۡلَمُوٓاْ ءَابَآءَهُمۡ فَإِخۡوَٰنُكُمۡ فِي ٱلدِّينِ وَمَوَٰلِيكُمۡۚ وَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٞ فِيمَآ أَخۡطَأۡتُم بِهِۦ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتۡ قُلُوبُكُمۡۚ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورٗا رَّحِيمًا ﴾[۲۰]

(اور اللہ نے تمھارے منہ بولے بیٹوں کو تمھارے حقیقی بیٹے نہیں بنایا، یہ تمھارے زبانی دعوے ہیں، اللہ ہی حق بات کہتا اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ انہیں ان کے حقیقی باپوں سے ہی منسوب کرو، یہی اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف والا طریقہ ہے۔ اگر تمھیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو پھر یہ تمھارے دینی بھائی یا تمھارے آزاد کردہ غلام ہیں۔)

صحیح بخاری میں ہے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، کیونکہ انہیں اوائل اسلام میں زید بن محمد رضی اللہ عنہ کہا جاتا تھا[۲۱]۔

صحیح بخاری کی ہی ایک اور حدیث میں ہے:

أَنَّ أَبَا حُذَيْفَةَ وَكَانَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبَنَّى سَالِمًا وَأَنْكَحَهُ بِنْتَ أَخِيهِ هِنْدَ بِنْتَ الْوَلِيدِ بْنِ عُتْبَةَ وَهُوَ

مَوْلًى لِامْرَأَةٍ مِنْ الْأَنْصَارِ كَمَا تَبَنَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْدًا وَكَانَ مَنْ تَبَنَّى رَجُلًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ دَعَاهُ النَّاسُ إِلَيْهِ وَوَرِثَ مِنْ مِيرَاثِهِ حَتَّى أَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿ ٱدۡعُوهُمۡ لِأٓبَآئِهِمۡ ﴾ (۲۲)

(ابو حذیفہ نے، جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ بدر میں شریک ہونے والوں میں سے تھے، سالم کو اپنا 'لے پالک' بیٹا بنا رکھا تھا... جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے زید کو بنایا تھا۔ جاہلیت کا دستور یہ تھا کہ جو جسے اپنا "لے پالک" بنالیتا، لوگ اسی کی طرف اسے منسوب کیا کرتے، اور اسے ہی وارث بنایا جاتا، حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل کر دیا کہ انہیں ان کے باپوں کے نام سے ہی پکارو۔)

نسب و نسل کی اہمیت کے پیش نظر قرآنِ کریم میں اس کے متعلق بعض آیات بھی نازل کی گئی تھیں، بعد میں آیتِ رجم کی طرح ان کی تلاوت کرنا منسوخ قرار دے دیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

إِنَّا كُنَّا نَقْرَأُ فِيمَا نَقْرَأُ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ أَنْ لَا تَرْغَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ فَإِنَّهُ كُفْرٌ بِكُمْ أَنْ تَرْغَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ (۲۳)

(اپنے باپوں سے اپنی نسبت کو ہٹاؤ مت، جو کوئی اپنے باپ کے علاوہ اپنی نسبت کرے گویا یہ تمھارے کفر کے مترادف ہے۔)

درست نسب کی اسلام میں اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ (۲۴)

(جو شخص علم رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو باپ کے علاوہ دوسرے کی طرف منسوب کرے تو ایسے شخص پر جنت حرام ہے۔)

نبی کریم ﷺ نے ایک فرمان میں نسب میں طعنہ زنی کرنے کو جاہلیت قرار دیا ہے (۲۵)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

مَنْ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ أَوْ انْتَمَى إِلَى غَيْرِ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ الْمُتَتَابِعَةُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (۲۶)

(جو شخص باپ کے سوا یا کوئی غلام اپنے آقا کے سوا دوسرے کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے تو اس پر قیامت قائم ہونے تک متواتر اللہ کی لعنت برستی رہتی ہے۔)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب لعان کی آیات نازل ہوئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَدْخَلَتْ عَلَى قَوْمٍ مَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ، فَلَيْسَتْ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ، وَلَنْ يُدْخِلَهَا اللَّهُ جَنَّتَهُ، وَأَيُّمَا رَجُلٍ جَحَدَ وَلَدَهُ، وَهُوَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ، احْتَجَبَ اللَّهُ مِنْهُ، وَفَضَحَهُ عَلَى رُءُوسِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ [۲۷]

(جو عورت اپنے خاندان میں ایسے بچے کو داخل کرے جو اُن کا نہیں تو اللہ کے ہاں اس کا کوئی حصہ نہیں اور اللہ اسے اپنی جنت میں بھی داخل نہ کرے گا۔ ایسے ہی جو شخص اپنے بیٹے سے انکار کر دے حالانکہ اسے معلوم ہے کہ وہ اس کا بیٹا ہے تو اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس سے پردہ کر لے گا، اور اگلوں پچھلوں میں اسے رسوا کرے گا۔)

مندرجہ بالا قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں نسب کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور نسب کو غلط یا خلط ملط کرنے کی شدید مذمت پائی جاتی ہے۔ ان سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اسلام کی رو سے نسب اور نسل صرف باپ کے لئے مخصوص ہے اور یہ نسب ماں کی طرف سے نہیں چلتا۔

فقہا کا نقطہ نظر

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب 'احکام القرآن' میں لکھتے ہیں:

فَكَانَ مَعْقُولًا فِي كِتَابِ اللَّهِ: أَنَّ وَلَدَ الزِّنَا لَا يَكُونُ مَنْسُوبًا إِلَى أَبِيهِ: الزَّانِي بِأُمِّهِ. لِمَا وَصَفْنَا: مِنْ أَنَّ نِعْمَتَهُ إِنَّمَا تَكُونُ: مِنْ جِهَةِ طَاعَتِهِ لَا: مِنْ جِهَةِ مَعْصِيَتِهِ [۲۸]

(کتاب اللہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ولد الزنا کو اُس کے باپ سے منسوب نہ کیا جائے کیونکہ اولاد اللہ کی نعمت ہے اور یہ نعمت اللہ کی اطاعت کے نتیجے میں ملتی ہے نہ کہ نافرمانی پر۔)

امام ابو بکر جصاص حنفی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب 'احکام القرآن' میں لکھتے ہیں:

فَالْمِيرَاثُ إِنَّمَا يَتَعَلَّقُ حُكْمُهُ بِثُبُوتِ النَّسَبِ مِنْهُ لَا بِأَنَّهُ مِنْ مَائِهِ، أَلَا تَرَى أَنَّ وَلَدَ الزِّنَا لَا يَرِثُ الزَّانِيَ لِعَدَمِ ثُبُوتِ النَّسَبِ وَإِنْ كَانَ مِنْ

مَائِهِ[۲۹]

(وراثت کا تعلق نسب کے ثابت ہونے سے ہے، نہ کہ اس بنا پر کہ بچہ اس کے نطفہ سے ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ولد الزنا زانی کا وارث نہیں بن سکتا، کیونکہ اس کا نسب اس سے ثابت نہیں ہے باوجود اس کے، کہ وہ اس کے نطفہ سے ہے۔)

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی "المبسوط" میں لکھتے ہیں:

رَجُلٌ أَقَرَّ أَنَّهُ زَنَى بِامْرَأَةٍ حُرَّةٍ، وَأَنَّ هَذَا الْوَلَدَ ابْنُهُ مِنْ الزِّنَا، وَصَدَّقَتْهُ الْمَرْأَةُ) فَإِنَّ النَّسَبَ لَا يَثْبُتُ مِنْ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِقَوْلِهِ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – «الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ»، وَلَا فِرَاشَ لِلزَّانِي، وَقَدْ جَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – حَظَّ الزَّانِي الْحَجَرَ فَقَطْ وَقِيلَ هُوَ إشَارَةٌ إلَى الرَّجْمِ وَقِيلَ هُوَ إشَارَةٌ إلَى الْغَيْبَةِ كَمَا يُقَالُ لِلْغَيْبَةِ الْحَجَرُ أَيْ هُوَ غَائِبٌ لَا حَظَّ لَهُ، وَالْمُرَادُ هُنَا أَنَّهُ لَا حَظَّ لِلْعَاهِرِ مِنْ النَّسَبِ وَبَقِيَ النَّسَبُ مِنْ الزَّانِي حَقُّ الشَّرْعِ إمَّا بِطَرِيقِ الْعُقُوبَةِ؛ لِيَكُونَ لَهُ زَجْرًا عَنْ الزِّنَا إذَا عَلِمَ أَنَّ مَاءَهُ يَضِيعُ بِهِ [۳۰]

(کسی آدمی نے اس امر کا اعتراف کر لیا کہ اس آزاد عورت سے زنا کے نتیجے میں اس کا یہ بیٹا پیدا ہوا ہے اور اس بات کی عورت نے بھی تصدیق کر دی تو ان دونوں میں سے کسی کی بات پر نسب ثابت نہیں ہو گا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بچہ بستر کے مالک کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔ چونکہ زانی کا یہ بستر نہیں، اس لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی کے لیے بدلہ میں صرف پتھر رکھے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اس میں زانی کے رجم کی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں کچھ نہ ملنے کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ عربی میں حجر اس کے لیے بولا جاتا ہے جس کا کوئی حصہ نہ ہو۔ مراد یہ کہ زانی کا نسب میں کوئی حصہ رحق نہیں ہے۔ زانی سے نسب کا یہ حق لینا شرعی عقوبت کی بنا پر ہے، تا کہ زانی کو اس امر کی تنبیہ کر دی جائے کہ تیرا نطفہ ضائع ہی جائے گا۔)

امام ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ اپنی معروف کتاب "المحلّٰی بالاٰثار" میں لکھتے ہیں:

وَالْوَلَدُ يلْحقُ فِي النِّكَاحِ الصَّحِيْحِ [۳۱]

(بچے کا صحیح نکاح کے نتیجے میں ہی (باپ سے) الحاق کیا جائے گا۔)

کویت میں ۴۵ جلدوں میں تیار ہونے والے الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے:

ذَهَبَ الْفُقَهَاءُ إِلَى أَنَّهُ لاَ يَثْبُتُ النَّسَبُ بِالزِّنَا مُطْلَقًا (۳۲)

(فقہا کا اس امر پر اتفاق ہے کہ زنا سے نسب مطلقاً ثابت نہیں ہوتا۔)

شریعت نے نکاح کے بغیر صرف نطفہ کی بنا پر نسب کا اعتبار نہیں کیا!!

واضح رہنا چاہئے کہ اسلام نے چودہ سو برس قبل اس بات کی شہادت دے دی تھی کہ بچے کی ولادت میں ماں اور باپ دونوں کے جرثوموں کا کردار ہوتا ہے۔ جدید سائنس بڑی تحقیق کے بعد کچھ عرصہ قبل اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ دونوں کے جرثوموں کے اشتراک سے زایگوٹ یعنی 'نطفہ امشاج' تیار ہوتا ہے (۳۳)۔ اور جسے برتری رسبقت حاصل ہو جائے، بچے میں زیادہ مشابہت بھی اسی کی پائی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت اُمّ سلیم کا نبی کریم ﷺ سے مکالمہ کتبِ حدیث میں موجود ہے:

أَنَّهَا سَأَلَتْ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَرْأَةِ تَرَى فِي مَنَامِهَا مَا يَرَى الرَّجُلُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا رَأَتْ ذَلِكَ الْمَرْأَةُ فَلْتَغْتَسِلْ» فَقَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ: وَاسْتَحْيَيْتُ مِنْ ذَلِكَ، قَالَتْ: وَهَلْ يَكُونُ هَذَا؟ فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «نَعَمْ، فَمِنْ أَيْنَ يَكُونُ الشَّبَهُ؟ إِنَّ مَاءَ الرَّجُلِ غَلِيظٌ أَبْيَضُ، وَمَاءَ الْمَرْأَةِ رَقِيقٌ أَصْفَرُ، فَمِنْ أَيِّهِمَا عَلَا، أَوْ سَبَقَ، يَكُونُ مِنْهُ الشَّبَهُ (۳۴)

(اُنہوں نے نبی ﷺ سے عورت کے اس خواب کے بارے میں دریافت کیا جو وہ مرد کی طرح دیکھتی ہے (یعنی احتلام) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب عورت بھی ایسا خواب دیکھے تو غسل کرے۔ اُمّ سلیم کہتی ہیں کہ مجھے اس پر بڑی شرم آئی اور میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی! کیا عورتوں میں بھی ایسا ہوتا ہے (یعنی احتلام) تو آپ ﷺ نے جواب دیا: بالکل ورنہ (عورت سے بچے کی) مشابہت کا کیا مطلب؟ آدمی کا پانی گاڑھا سفید ہوتا ہے اور عورت کا پتلا زرد، ان میں سے جس کی خصوصیات غالب آجاتی ہیں، بچہ اسی سے مشابہ ہوتا ہے۔)

یہودیوں کے عالم عبد اللہ بن سلام کو جب نبی کریم ﷺ کے مدینہ تشریف آوری کی خبر ہوئی تو آپ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ مجھے تین باتوں کا جواب دیں، کیونکہ ان کا جواب صرف ایک نبی

ہی دے سکتا ہے۔ تیسرا سوال یہ تھا کہ بچہ ماں یا باپ سے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

وَأَمَّا الْوَلَدُ فَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْأَةِ نَزَعَ الْوَلَدَ وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْأَةِ مَاءَ الرَّجُلِ نَزَعَتْ الْوَلَدَ [۳۵]

(جہاں تک بچے کے بارے میں سوال کا تعلق ہے تو جب آدمی کا پانی عورت پر سبقت کر جاتا ہے، بچے کی اُس سے مشابہت ہو جاتی ہے اور جب عورت کا پانی سبقت کر جائے تو بچہ اُس کے مشابہ پیدا ہوتا ہے۔)

یہ جوابات سن کر عبد اللہ بن سلام اسلام لے آئے۔

اس موضوع پر بکثرت احادیث ملتی ہیں، جس میں ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ اگر مرد کے پانی کا غلبہ ہو جائے تو بچہ کی مشابہت اپنے چچاؤں سے ہوتی ہے، بصورتِ دیگر اپنے ماموں وغیرہ سے [۳۶]۔

ان احادیث سے یہ تو پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس امر کا علم دیا تھا کہ بچے کی والدین سے مشابہت کی حقیقی اور ٹھوس طبعی بنیادیں موجود ہیں، لیکن اس امر کا تعین ہو جانے کے باوجود آپ ﷺ نے مختلف واقعات میں اس مشابہت کی بنیاد پر نسب کو ثابت نہیں کیا، بلکہ اس طبعی امر پر شرعی حیثیت کو ہی غالب قرار دیا۔ بلکہ شریعت میں تو یہاں تک احتیاط موجود ہے کہ جہاں نکاح موجود ہو، وہاں صرف مشابہت کی بنا پر شکوک وشبہات اور وسوسوں کو راہ دینا مناسب نہیں۔ جیسا کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کے پاس یہ شکایت کی کہ میرے ہاں سیاہ رنگ کا بچہ پیدا ہوا ہے۔ تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: تمھارے پاس اونٹ ہیں، ان کا رنگ کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا: سرخ۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا اس میں بھورے رنگ کا بھی ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں، آپ ﷺ نے پوچھا: وہ کہاں سے آگیا؟ اس نے کہا: شاید کہ اس نے کسی پچھلے اونٹ کی خصوصیت کھینچ لی ہو۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: فلعل ابنك هذا نزعه [۳۷] (شاید کہ تمھارے اس بیٹے نے (بھی تمھارے بڑوں میں کسی کی خصوصیت) کھینچ لی ہو۔) یعنی نبی کریم ﷺ نے اس کی بنا پر اسے شک وشبہ میں پڑنے سے روک دیا، اور اسے اجازت نہ دی کہ اس بنا پر وہ اپنے بیٹے سے انکار کرے۔

مال کی حفاظت: مال بھی اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے، انسان کی زندگی کا قیام ونظام اسی سے وابستہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایک طرف مال کمانے کی اجازت دی اور اس کے لیے جدوجہد اور سعی کا حکم دیا

تو دوسری طرف بیع و شراء اور اجارہ و عاریت وغیرہ کو مشروع قرار دیا۔ تاکہ مال کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا جاسکے۔

یہ پانچوں امور ان اصول و کلیات میں سے ہیں جو دینِ حق کے بنیادی مقاصد قرار دیے گئے ہیں، اور دنیا کی دوسری شریعتوں اور صالح قوانین میں بھی کسی نہ کسی حد تک ان امور کی رعایت رکھی گئی ہے۔ لیکن جس جامعیت کے ساتھ اسلام نے ان امور کی حفاظت پر زور دیا ہے اور اس کے لیے قوانین وضع کئے ہیں وہ اس کا ہی امتیاز ہے، یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ انسان کا اس دنیا میں وجود محض اس لیے کہ اس کی جان کی حفاظت کی جائے، یا اس کی عقل اور مال کی حفاظت کی جائے، ایک فعلِ عبث ہے۔ چنانچہ یہ چیزیں اسلام میں آخرت کی زندگی سے مربوط ہیں، انسان کا وجود اس کائنات میں اس لیے مطلوب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا حق ادا کرے اور آخرت کی زندگی کی سعادت کے لیے خود کو تیار کرے۔ البتہ جب تک وہ اس دنیا میں رہے اس وقت تک اس کی جان، مال، عزت اور عقل سب کی حفاظت کی ضمانت ان شرعی احکام میں مضمر ہے، جو اسلام نے دیے ہیں۔

یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ان پانچوں اصولوں میں جو زیادہ اہم ہو، اُس کی خاطر اس سے کمتر اصولوں کو قربان کیا جائے گا۔ مثلاً اگر دین کی حفاظت کی خاطر جان دینے کی ضرورت ہو تو اس سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی کا مال لے کر کھانے سے جان کی حفاظت ممکن ہو، تو جان کی حرمت کو مال کی حرمت پر مقدم رکھا جائے گا۔ جن مقاصد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ شرعی احکام کا دارومدار ان کی تکمیل پر ہے۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

> **وَمَقْصُودُ الشَّرْعِ مِنَ الْخَلْقِ خَمْسَةٌ: وَهُوَ أَنْ يَحْفَظَ عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ، وَنَفْسَهُمْ، وَعَقْلَهُمْ، وَنَسْلَهُمْ، وَمَالَهُمْ، فَكُلُّ مَايَتَضَمَّنُ حِفْظَ هٰذِهِ الْأُصُولِ الْخَمْسَةِ فَهُوَمَصْلَحَةٌ، وَكُلُّ مَايُفَوِّتُ هٰذِهِ الْأُصُولَ فَهُوَ مَفْسَدَةٌ، وَ دَفْعُهَا مَصْلَحَةٌ**(۳۸)
>
> (خلق کے بارے میں شریعت کے مقاصد پانچ ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اس کے دین، اس کی جان، اس کی عقل، اس کی نسل اور اس کے مال کی حفاظت کی جائے۔ پس ہر وہ بات جو اِن اصولِ خمسہ کی حفاظت کی ضامن ہو وہ ''مصلحت'' قرار پائے گی اور ہر وہ چیز جو اِن پانچوں امور کی حفاظت میں مخل ہو وہ ''مفسدہ'' قرار پائے گی اور اس کا ازالہ ''مصلحت'' ہو گا۔)

پھر فرماتے ہیں:

هَذِهِ الْأُصُول الْخَمْسَةُ حِفْظُهَا وَاقِعٌ فِي رُتْبَةِ الضَّرُوْرِيَّاتِ فَهِيَ أَقْوَى الْمَرَاتِبِ فِي الْمَصَالِحِ ومثاله قضاء الشرع بقتل الكافر المضل وعقوبة المبتدع الداعى إلى بدعته فإن هذا يفوت على الخلق دينهم وقضاؤه بإيجاب القصاص أدبه حفظ النفوس وإيجاب حد الشرب إذ به حفظ العقول التى هى ملاك التكليف وإيجاب حد الزنا إذ به حفظ النسل والأنساب وإيجاب زجر الغصاب والسراق إذ به يحصل حفظ الأموال التى هى معاش الخلق وهم مضطرون إليها وتحريم تفويت هذه الأصول الخمسة والزجر عنها يستحيل أن لاتشتمل عليه ملة من الملل وشريعة من الشرائع التى أريد بهاإصلاح الخلق [٣٩]

(ان پانچوں اصول کی حفاظت ضروریات میں سے ہے، جو مصالح کا سب سے قوی ترین درجہ ہے۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ شریعت نے ایسے کافر کے قتل کا حکم دیا ہے جس کا کفر دوسروں تک متعدی ہو۔ اسی طرح ایسے بدعتی کی سرزنش کا حکم دیا ہے جو اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو دعوت دے۔ کیونکہ اس سے خلق دین کی حفاظت کا مقصد متاثر ہوتا ہے اور شریعت نے قصاص کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ جان کی حفاظت ممکن ہے اور شراب پینے کی حد متعین کی ہے کہ عقول کی حفاظت کی جاسکے، جو اِنسان کی تکلیف کا مدار ہے اور حد زنا متعین کی تاکہ اس کے ذریعہ نسل اور نسب کی حفاظت کی جاسکے اور چوروں اور غاصبوں کی سزا متعین کی ہے۔ تاکہ لوگوں کے مال کی حفاظت کی جاسکے، جس سے خلق کا معاش وابستہ ہے اور لوگوں کو اِس کی احتیاج ہے، یہ پانچوں ایسے امور ہیں، جن کی حفاظت کا خیال نہ رکھنا کسی ایسی ملت وشریعت میں ممکن نہیں، جو خلق کی اصلاح کے لیے نازل کی گئی ہو۔)

۲) حاجیاتی مصالح

شریعت کے مقاصد و مصالح کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسانی زندگی سے تنگی اور مشقت کو دور کیا جائے۔ گویا ان مصالح و تحقیق پر دنیوی واخروی زندگی موقوف تو نہیں ہے۔ لیکن دفع حرج و مشقت کے لیے ان کی رعایت ضروری ہے، مثال کے طور پر سفر میں نماز کو قصر کے ساتھ پڑھنے کی اجازت۔ اسی طرح

رمضان میں مریض اور مسافر کے لیے روزہ نہ رکھنے کی اجازت، یا قیام پر قدرت نہ رکھنے والے شخص کے لیے اس بات کی اجازت کہ وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے، حیض و نفاس میں مبتلا عورت کے لیے نماز نہ پڑھنے کی تاکید اور سفر و حضر میں خفین پر مسح کرنے کی اجازت وغیرہ ایسے احکام ہیں جو شرعی مقاصد و مصالح کی اس دوسری قسم کے ذیل میں آتے ہیں۔

اسی طرح قرض لین دین کی اجازت، کسی دوسرے کی طرف سے حقوق کے بارے میں ضامن و کفیل بننے کی اجازت، ضرورت پڑنے پر بیع کو فسخ کرنے اور نکاح کے رشتہ کو طلاق کے ذریعہ ختم کرنے کی اجازت بھی اسی ذیل میں آتی ہے، جیسا کہ حدود و عقوبات کے مسائل ہیں، مقتول کے ولی کو اِس بات کا حق کہ وہ قصاص معاف کردے، یا دیت میں تخفیف کردے، یا بعض حالات میں دیت کی بجائے قاتل کے اس کے اقارب واصدقاء یا عاقلہ پر وجوب، یہ ساری چیزیں اسی لیے مشروع کی گئی ہیں، تاکہ حرج اور مشقت کو دور کیا جائے۔ علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

> **وَأَمَّا الْحَاجِيَّاتُ، فَمَعْنَاهَا أَنَّهَا مُفْتَقَرٌ إِلَيْهَا مِنْ حَيْثُ التَّوْسِعَةِ وَرَفْعِ الضِّيقِ الْمُؤَدِّي فِي الْغَالِبِ إِلَى الْحَرَجِ وَالْمَشَقَّةِ اللَّاحِقَةِ بِفَوْتِ الْمَطْلُوبِ، فَإِذَا لم تراع دخل علتي الْمُكَلَّفِينَ–عَلَى الْجُمْلَةِ–الْحَرَجُ وَالْمَشَقَّةُ، وَلَكِنَّهُ لَا يَبْلُغُ مَبْلَغَ الْفَسَادِ الْعَادِيِّ الْمُتَوَقَّعِ فِي الْمَصَالِحِ الْعَامَّةِ.وَهِيَ جَارِيَةٌ فِي الْعِبَادَاتِ، وَالْعَادَاتِ، وَالْمُعَامَلَاتِ، وَالْجِنَايَاتِ: فَفِي الْعِبَادَاتِ: كَالرُّخَصِ الْمُخَفَّفَةِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى لحوق المشقة بالمرض وَالسَّفَرِ، وَفِي الْعَادَاتِ كَإِبَاحَةِ الصَّيْدِ وَالتَّمَتُّعِ بِالطَّيِّبَاتِ مِمَّا هُوَ حَلَالٌ، مَأْكَلًا وَمَشْرَبًا وَمَلْبَسًا وَمَسْكَنًا وَمَرْكَبًا، وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ.وَفِي الْمُعَامَلَاتِ، كَالْقِرَاضِ، وَالْمُسَاقَاةِ، وَالسَّلَمِ، وَإِلْقَاءِ التَّوَابِعِ فِي الْعَقْدِ عَلَى المتبوعات، كمثرة الشَّجَرِ، وَمَالِ الْعَبْدِ.وَفِي الْجِنَايَاتِ، كَالْحُكْمِ بِاللَّوْثِ، وَالتَّدْمِيَةِ، وَالْقَسَامَةِ، وَضَرْبِ الدِّيَةِ عَلَى الْعَاقِلَةِ، وَتَضْمِينِ الصُّنَّاعِ** (۴۰)
>
> (حاجیات سے مراد وہ مصالح ہیں، جن کی ضرورت تنگی کو دور کرنے اور حرج و مشقت کو رفع کرنے کے لیے پیش آئے اور اگر ان کی رعایت نہ رکھی جائے تو مکلفین کی زندگی مشقت کی وجہ سے دوبھر ہو جائے۔ لیکن اس طرح کا فساد متصور نہ ہو، جو ضروری مصالح

کو نظر انداز کرنے سے برپا ہوتا ہے "حاجیات" کا خانہ بھی عبادات، عادات، معاملات اور جنایات سب کو عام ہے۔ چنانچہ عبادات میں اس کی مثال وہ رخصتیں ہیں جو مشقت لاحق ہونے کے اندیشہ سے دی گئی ہیں، جو مرض یا سفر کی وجہ سے پیش آتی ہیں-اور عادات میں شکار کا حلال ہونا، پاکیزہ اور حلال چیزوں سے استفادہ کرنے کی اجازت شامل ہے۔ خواہ اس کا تعلق کھانے پینے کی چیزوں سے ہو یا لباس و مسکن اور سواری وغیرہ سے اور معاملات میں اس کی مثال مضاربت، مساقاۃ اور مسلم وغیرہ کی اجازت ہے اور جنایات میں قسامت اور عاقلہ پر دیت کا وجوب اور ضائع شدہ مال کی ضمانت وغیرہ اس کی مثال ہے۔

۳) تحسینی مصالح

مصالح ومقاصد کا تیسرا درجہ تحسینی اور کمالیاتی مصالح ہیں، جن کی رعایت پر نہ تو زندگی موقوف ہو اور نہ ان کی عدم رعایت سے حرج اور مشقت ہی کا اندیشہ ہو، بلکہ ان کا تعلق اخلاق وعادات اور زندگی کے آداب سے ہو، یعنی مروت اور عقل انسانی کا تقاضا ہو کہ ان مصالح کا تحقق مستحسن ہے اور فطرتِ سلیمہ اس کا تقاضا کرتی ہے کہ انسانی معاشرہ میں یہ خصلتیں پائی جائیں اور انسانی زندگی ان خوبیوں سے آراستہ ہو، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول:

الرُّتْبَةُ الثَّالِثَةُ: مَا لَا يَرْجِعُ إِلَى ضَرُورَةٍ وَلَا إِلَى حَاجَةٍ وَلَكِنْ يَقَعُ مَوْقِعَ التَّحْسِينِ وَالتَّزْيِينِ وَالتَّيْسِيرِ لِلْمَزَايَا وَالْمَزَائِدِ وَرِعَايَةِ أَحْسَنِ الْمَنَاهِجِ فِي الْعَادَاتِ وَالْمُعَامَلَاتِ[۴۱]

(تیسرا درجہ (مصالح کا) جو نہ "ضرورت" کے خانہ میں آتا ہو اور نہ "حاجت" کے۔ لیکن اس کا شمار ان امور میں ہوتا ہو، جنھیں تحسین وتزئین، آسانی اور اضافے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے اور عادات ومعاملات میں جس کی رعایت مستحسن سمجھی جاتی ہے۔)

عبادات میں نفلی نمازیں، نفلی روزے، نفلی صدقات کو اِس کی مثال قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح طہارت، ستر عورت وغیرہ کے حکم کو بھی فقہاء نے اسی ذیل میں شمار کیا ہے، بیع وشراء میں ناپاک چیزوں کی خرید وفروخت کی ممانعت، کھانے پینے میں پاکیزہ چیزوں کا اہتمام اور خبائث سے اجتناب، عقوبات میں لاش کو مثلہ کرنے کی ممانعت اور عورتوں اور بچوں وغیرہ کے قتل سے اجتناب کا حکم بھی اسی ذیل میں آتا ہے، علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ مصالح کی اس قسم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَأَمَّا التَّحْسِينَاتُ، فَمَعْنَاهَا الْأَخْذُ بِمَا يَلِيقُ مِنْ مَحَاسِنِ الْعَادَاتِ، وَتَجَنُّبُ الْمُدَنِّسَاتِ الَّتِي تَأْنَفُهَا الْعُقُولُ الرَّاجِحَاتُ، وَيَجْمَعُ ذَلِكَ قِسْمُ مَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ فِي الْعِبَادَاتِ، كَإِزَالَةِ النَّجَاسَةِ وَبِالْجُمْلَةِ الطَّهَارَاتُ كُلُّهَا وَسَتْرِ الْعَوْرَةِ، وَأَخْذِ الزِّينَةِ، وَالتَّقَرُّبِ بِنَوَافِلِ الْخَيْرَاتِ مِنَ الصَّدَقَاتِ وَالْقُرُبَاتِ، وَأَشْبَاهِ ذَلِكَ. وَفِي الْعَادَاتِ، كَآدَابِ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ، وَمُجَانَبَةِ الْمَآكِلِ النَّجِسَاتِ وَالْمَشَارِبِ الْمُسْتَخْبَثَاتِ، وَالْإِسْرَافِ وَالْإِقْتَارِ فِي الْمُتَنَاوَلَاتِ. وَفِي الْمُعَامَلَاتِ، كَالْمَنْعِ مِنْ بَيْعِ النَّجَاسَاتِ، وَفَضْلِ الْمَاءِ وَالْكَلَأِ، وَفِي الْجِنَايَاتِ، كَمَنْعِ قَتْلِ الْحُرِّ بِالْعَبْدِ، أَوْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَالرُّهْبَانِ فِي الْجِهَادِ (۴۲)

(تحسینیات سے مراد اچھی عادتوں کا اختیار کرنا اور ان امور واحوال سے اجتناب ہے جنھیں عقل سلیم ناپسند کرتی ہو اور ان سب کے مجموعہ کو مکارم اخلاق سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، عبادات میں اس کی مثال نجاست کا ازالہ اور طہارت اور پاکیزگی کا حصول ہے ستر عورت، زینت وآرائش اور نفلی عبادتوں اور صدقات کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش وغیرہ، عادات میں کھانے پینے کے آداب، ناپاکی اور خبیث چیزوں سے اجتناب، اسراف اور بخل سے پرہیز، معاملات میں ناپاک چیزوں کی خرید وفروخت کی ممانعت، پانی اور چارہ کی زائد مقدار کی فروخت اور جنایات میں عورتوں، بچوں اور راہبوں کے جہاد کے دوران قتل کی ممانعت وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔)

شریعت کے بعض احکام ایسے ہیں جنھیں مذکورہ بالا تینوں مدارج ''ضروری، حاجیاتی اور تحسینی'' کے تکملہ اور تتمہ کی حیثیت دی جاسکتی ہے، مثال کے طور پر: قصاص میں مماثلت کا لحاظ حفظ نفس کے مقصد کی تکمیل کے لیے ہے۔ اسی طرح شراب کی تھوڑی سی مقدار کی حرمت حفظ عقل کی مصلحت کا تتمہ ہے۔ کیونکہ شراب کی تھوڑی مقدار زیادہ کا خوگر بننے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اسی طرح اجنبی عورت کو دیکھنے اور اس کے ساتھ خلوت میں بیٹھنے کی ممانعت ہے، جو حفظ نسل کے مقصد کی تکمیل کے لیے ہے۔ اسی طرح اذان اور جماعت کی مشروعیت اقامتِ دین کی مصلحت کی تکمیل کے لیے ہے۔ تاکہ دین کا صحیح طور پر غلبہ

اور اس کی حفاظت کا مقصد پورا ہو سکے۔ اسی طرح غصب کردہ مال کے ضمن میں مماثلت کی قید اور ربا کی حرمت کو حفظِ مال کے مقصد کی تکمیل کے لیے متعین کیا گیا ہے۔

دوسری قسم یعنی حاجیاتی مصالح کی تکمیل کے لیے جو چیزیں مشروع کی گئی ہیں ان میں نکاح میں کفاءت کی رعایت۔ اسی طرح صغیرہ کے نکاح میں مہرِ مثل کا لحاظ اور مجہول کی بیع کی ممانعت اور مشتری کے لیے خیارِ رویت اور خیارِ شرط وغیرہ کی مشروعیت بھی بیع وشراء کی عمومی مصلحت کا تتمہ اور تکملہ ہے، تحسینی مصالح کی تکمیل کے لیے صدقاتِ نافلہ میں پاک مال کا خرچ کرنا، عقیقہ اور قربانی وغیرہ میں افضل ترین جانور کے انتخاب کی تلقین کو اِس کی مثال قرار دیا جاسکتا ہے، وہ مصالح جن کو "ضروریات" میں شمار کیا گیا ہے، وہ بقول امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ "اصولِ دین، قواعدِ شرعیہ اور کلیاتِ ملت" کی حیثیت رکھتی ہیں۔ چنانچہ انہیں ہر حال میں مقدم رکھا جائے گا، مثال کے طور پر اگر "ضروری" یا حاجیاتی مصلحت کا تقاضا ہو تو تحسینی مصلحت کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ آپریشن یا مرض کی تشخیص کی خاطر جس سے جان کی حفاظت وابستہ ہے ستر عورت کی مصلحت کو نظر انداز کیا جائے گا جو کہ تحسینی مصالح میں شمار کیا جاتا ہے۔

اسی طرح ضرورت اور اضطرار کی حالت میں "میتہ" کا کھانا حلال ہو گا اور تحسینی مقصد یعنی مطعومات میں سے خبیث چیزوں سے احتراز کی مصلحت کو نظر انداز کیا جائے گا "بیع سلم اور استصناع" کے جواز کی بناء بھی یہی ہے کہ "حاجت" کی خاطر "تحسینی" مقصد یعنی مبیع کے وجود کی شرط کو نظر انداز کیا گیا اور ضروریات میں بھی باہم فرق مراتب کا لحاظ ہو گا، دین کی حفاظت کی خاطر جان کی حفاظت کو نظر انداز کیا جائے گا۔ اسی طرح جان کی حفاظت کی خاطر مال کی حفاظت کی مصلحت کو نظر انداز کیا جائے گا، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے ائمہ اصول نے نسل کی حفاظت کو عقل کی حفاظت پر مقدم رکھا ہے، جب کہ دوسرے فقہاء کے یہاں ترتیب میں "عقل" نسل سے مقدم ہے "مقاصد" اور "مصالح" کی ایک اور تقسیم بھی کی جاتی ہے کچھ مقاصد ایسے ہیں جن کا تعلق فرد کی ذات سے ہے اور کچھ مصالح ایسی ہیں جن کا تعلق ساری امت یا مسلمانوں کی جماعت سے ہے، مثال کے طور پر دشمنوں سے ملک کی حفاظت، دین کی حفاظت، قرآنِ کریم کی حفاظت، سنت کی حفاظت، اسی طرح حرمین شریفین کی دشمنوں کے ہاتھ میں چلے جانے سے حفاظت، یہ سب کلی مصالح ہیں جن کی خاطر جزوی مصالح کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔

علامہ ابن عاشور رحمۃ اللہ علیہ نے مصالح کی ایک اور تقسیم بھی کی ہے، جس کی رو سے کچھ مصالح تو وہ ہیں جو قطعی ہیں جن کی نشان دہی خود نصوص سے ہوتی ہے یا مجموعی طور پر شرعی احکام کے تتبع اور استقراء سے، یا عقل اس بات کی شہادت دے کہ اسے ترک کرنے میں امت کو زبردست نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا، جیسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ کرنا کہ مانعینِ زکوۃ سے قتال کیا جانا ضروری ہے، دوسری قسم کے مصالح وہ ہیں جو ظنی ہیں، اس کی مثال خوف کی وجہ سے حفاظت کے لیے کتے کے پالنے کا جواز ہے، جو دلیلِ ظنی سے ثابت ہے اور تیسری قسم ان مصالح کی ہے جو وہمی ہیں اور ان کا دائرہ بے حد وسیع ہے، اس کی مثال شراب، افیون، ہیروئین، کوکین وغیرہ کے بارے میں ان کے استعمال کرنے والوں کا یہ وہم کہ یہ چیزیں مفید اور نشاط آور ہیں، شریعت نے اس طرح کی "وہمی" مصالح کو نظر انداز کیا ہے اور ان چیزوں کی حرمت کا حکم دیا ہے۔

خلاصہ بحث

مقاصد شریعت کے مدارج کے اس طرح پر ذکر سے یہ خیال نہیں ہونا چاہئے کہ وہ چیزیں جو ضروریات میں شمار کی گئی ہیں وہ سب کی سب نفل یا مکروہ کے ذیل میں آئیں گی۔ بلکہ اس کے برعکس ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک چیز مدارج کے لحاظ سے تو تحسینیات میں شمار ہوئی ہو۔ لیکن شرعی حکم کے لحاظ سے وہ قطعی حرام ہو یا واجب ہو، اس لیے کہ ایجاب و تحریم اور اباحت و کراہیت وغیرہ علیحدہ موضوع ہیں اور مقاصد شریعت اور اس کے مدارج ایک علیحدہ بحث ہے اور اس کی تفصیل حکم تکلیفی کے مدارج میں آئے گی۔ یہاں اس کے ذکر کا موقع نہیں ہے، مثال کے طور پر ستر عورت اور طہارت کے مسائل کو یہاں تحسینیات شمار کیا گیا ہے۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ ستر عورت کی ایک مقدار فرض ہے اور طہارت بھی جنابت کی حالت میں ضروری ہے، اس کی تقسیم تو مختصر طور پر یوں ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خطاب جس چیز سے متعلق ہو وہاں طلب "جازم" ہو گا یا نہیں ہو گا۔ اگر طلب فعل ہو تو "واجب" ہو گا اور اگر طلب ترک فعل ہو تو "حرام" ہو گا اور اگر طلب "غیر جازم" ہو تو دونوں جانب یا تو برابر ہوں گے تو وہ مباح ہو گا اور اگر جانب وجود غالب ہو تو مندوب ہو گا اور اگر جانب عدم غالب ہو تو مکروہ ہو گا۔ خواہ اس کا تعلق ان امور سے ہو جو مقاصد و مصالح کے لحاظ سے ضروریات میں شمار کئے گئے ہوں یا حاجیات میں یا کمالیات میں۔

اصول و قواعد ہمیشہ عمومی احوال کو پیشِ نظر رکھ کر بنائے جاتے ہیں۔ بعض جزئیات پر کسی قاعدہ کے کسی خاص وجہ سے منطبق نہ ہونے کی وجہ سے اصل قاعدہ کی جامعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مثلاً عقوبات اس لیے مشروع کی گئی ہیں کہ جرم کا ارتکاب کرنے والا شخص اپنے جرم سے باز آجائے۔ لیکن ممکن ہے کہ کسی خاص شخص پر یہ اثر مرتب نہ ہو۔ اسی طرح سفر میں قصر صلوٰۃ اور روزے کے افطار کی مشروعیت مشقت کے پیشِ نظر کی گئی ہے۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ بادشاہ وقت یا کسی مرفہ الحال شخص کا سفر اس طرح پر ہو کہ اسے قطعی کوئی مشقت نہ ہو۔ لیکن اس کی وجہ سے وہ اس رخصت سے فائدہ اُٹھانے کے حق سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح طہارت کی مشروعیت تو نظافت کے لیے کی گئی ہے۔ لیکن مٹی کے ذریعہ تیمم کو بھی طہارت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، جس میں بظاہر آلودگی ہے۔

جان کی حفاظت شریعت کے بنیادی مقاصد میں سے ایک ہے۔ چنانچہ اگر جان کی حفاظت مال کے اتلاف کے بغیر ممکن نہ ہو تو جان کی حفاظت کو ترجیح دی جائے گی۔ لیکن اگر جان کی حفاظت کا مقصد دین کو مٹانے کا باعث ہو تو پھر دین کی حفاظت کے مقصد کو ترجیح دی جائے گی۔ جیسا کہ جہاد کی مشروعیت اور قتل مرتد کے مسئلہ سے یہ بات واضح ہے۔ اسی طرح اگر جان کی حفاظت سے کئی جانوں کا اتلاف لازم آتا ہو تو پھر کئی جانوں کی حفاظت کی فکر کی جائے گی۔ چنانچہ اگر کفار کسی مسلمان کو ڈھال بنالیں اور اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو کہ مسلمان کی جان قربان کئے بغیر کفار پر غلبہ و نصرت حاصل کی جاسکے تو ایسی صورت میں اس مسلمان کی جان کو اجتماعی مصلحت پر قربان کئے جانے کو گوارا کیا جائے گا۔

اور اگر کسی کو سلاح کے زور پر اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ کفریہ کلمات کہے۔ ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا تو ایسی صورت میں اس کے لیے یہ جائز ہو گا کہ کلماتِ کفر زبان سے ادا کرے اور اس کا دل مومن ہو۔ اسی طرح اکراہ کی وجہ سے شراب کا پینا، کسی دوسرے شخص کا مال کھانا، نماز اور روزہ کو ترک کرنا سب جان کی حفاظت کی خاطر مباح ہو گا۔ لیکن اگر اسے اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ کسی دوسرے شخص کو قتل کر دے تو اس کے لیے یہ جائز نہ ہو گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مخمصہ میں مبتلا ہو اور اس کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہ ہو تو اس کے لیے یہ بات جائز نہیں ہو گی کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھائے۔

دو مصلحتوں کے درمیان اگر تعارض ہو تو جو قوی تر مصلحت ہو، اسے ترجیح دی جائے گی، مثال کے طور پر اگر ایک شخص نماز ادا کر رہا ہو اور اس کی نظر ایک ڈوبتے ہوئے شخص پر پڑ گئی تو ڈوبنے والے شخص کو بچانا نماز کی ادائیگی پر مقدم ہو گا اور اس شخص کا فریضہ ہو گا کہ پہلے ڈوبتے شخص کو بچائے۔ پھر اپنی نماز ادا کرے۔ اسی طرح محرمات کے درمیان بھی فرقِ مراتب اور درجات ہیں، شراب کا پینا شراب بیچنے کے مقابلہ میں زیادہ سنگین جرم ہے اور شادی شدہ عورت سے زنا کرنا غیر شادی شدہ عورت سے زنا کے مقابلہ میں زیادہ سنگین جرم ہے۔

اگر چند افراد کسی جزیرہ یا صحرا، یا کسی ظالم حکمران کی جیل میں اس طریقہ پر محصور ہو گئے ہوں کہ ان کے پاس کھانے کا کوئی سامان نہ ہو اور فاقہ کے اس درجہ کو پہنچ گئے ہوں کہ ان کے لیے سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہ رہ گیا ہو کہ وہ اپنے رفقاء میں سے کسی ایک کو قربان کر کے اس کا گوشت کھالیں۔ تاکہ باقی لوگوں کی جان بچ سکے تو کیا شرعاً اس کی اجازت ہو گی؟

چند افراد کشتی میں سوار ہوئے موجوں کی شدت اور ہوا کہ تھپیڑوں نے انہیں ایسی حالت سے دوچار کر دیا کہ ان کے لیے ڈوبنے سے بچنے کا صرف ایک ہی ذریعہ باقی رہ گیا ہو کہ وہ اپنے ساتھ سوار کسی ایک فرد کو دریا میں ڈال دیں تاکہ کشتی کا وزن کم ہو اور کشتی سلامت رہ سکے۔ ورنہ اس کا یقین ہے کہ سب کے سب ڈوب کر ہلاک ہو جائیں گے تو کیا ایسی صورت میں یہ بات جائز ہو گی کہ کسی فرد کو اس ارادہ سے دریا کی نذر کر دیا جائے۔ تاکہ دوسروں کی جان بچائی جا سکے۔

کفار نے چند مسلمانوں کو اس طریقہ پر ڈھال بنالیا ہو کہ اگر ان مسلمان قیدیوں کی جان کا خیال کیا جائے تو سارا عالمِ اسلام کفار کے تسلط میں چلا جائے گا اور سینکڑوں افراد کی جانوں کو خطرہ لاحق ہو جائے گا، ایسی صورت میں کیا یہ درست ہو گا کہ ان بے قصور مسلمان قیدیوں کی جان کی پرواہ کئے بغیر عمومی مصلحت کو سامنے رکھا جائے اور انہیں نشانہ بنایا جائے۔ تاکہ کفار پر غلبہ حاصل ہو سکے، یہ اور اس طرح کے بہت سے مسائل ہیں جن کا جواب مقاصدِ شریعت اور ان کے مدارج کو سامنے رکھ کر معلوم کیا جا سکتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱) الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ بن محمد، ابو اسحاق،: الموافقات، دار الفکر العربی، بیروت، ۲/ ۳۴

۲) سورۃ الانبیاء:۱۰۷

۳) سورۃ المائدۃ:۶

۴) سورۃ العنکبوت:۴۵

۵) سورۃ البقرۃ:۱۸۳

۶) سورۃ البقرۃ:۱۷۹

۷) ابن ہمام، محمد بن عبد الواحد، کمال الدین،: التحریر فی اصول الفقہ الجامع بین اصطلاحی الحنفیۃ والشافعیۃ ، دار الکتب العربیۃ، بیروت، لبنان، ط:۱۹۸۳، ۱/ ۲۰۳

۸) کاشمیری، محمد انور شاہ، مولانا: فیض الباری علی صحیح البخاری مع حاشیۃ البدر الساری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط:۱۴۲۶ھ / ۲۰۰۵ء، ص:۱۰۴

۹) سورۃ البقرۃ:۲۵۶

۱۰) سورۃ الانعام:۱۰۸

۱۱) بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، کتاب استتابۃ المرتدین والمعاندین وقتالہم، باب حکم المرتد و المرتدۃ، ح:۶۹۲۲، مکتبہ اسلامیہ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ط:۲۰۰۹ء، ۸/ ۲۸۸؛
ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، السجستانی،: السنن، کتاب الحدود، باب الحکم فیمن ارتد، ح:۴۳۵۱، دار السلام، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ۴/ ۳۳۱

۱۲) سورۃ المائدۃ:۳۲

۱۳) سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الوفاء للمعاهد وحرمۃ ذمتہ، ح:۲۷۶۰،۳/ ۲۳۱؛ النسائی، احمد بن شعیب،: السنن، کتاب القسامۃ، باب تعظیم قتل المعاهد، حدیث نمبر ۴۷۵۱، دار السلام، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ۶/ ۶۰۷
معَاھد (ھا پر زبر) سے مراد ایسا شخص ہے جو کافر ہوتے ہوئے حکومتِ اسلامیہ میں رہ رہا ہو، اور ٹیکس وغیرہ ادا کرتا ہو، اسے ذمی بھی کہا جاتا ہے۔

۱۴) الترمذی، محمد بن عیسیٰ، ابو عیسیٰ،: الجامع، ابواب الدیات، باب الحکم فی الدماء (ح:۱۳۹۸)، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ، ط:۱۹۶۳ء، ۱/ ۲۰۳

نوٹ:اس روایت کی سند میں یزید رقاشی ضعیف راوی ہے۔

۱۵) سورۃ البقرۃ:۱۷۹

۱۶) سورۃ المائدۃ:۹۰

۱۷) جامع ترمذی، ابواب الاشربۃ، باب ماجاءما أسکر کثیرہ فقلیلہ حرام (ح:۱۸۶۵)،۲/۳۶؛
سنن ابی داوٗد، کتاب الاشربۃ، باب ماجاء فی السکر، ح:۳،۳۶۸۱/۸۷۲

۱۸) الخطیب الشربینی،:مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج، محقق،:محمد خلیل العیتانی، دارالمعرفۃ، بیروت،۳/۴

۱۹) محمد الامیر الکبیر،:الاکلیل شرح مختصر خلیل، محقق،:عبد اللہ الصدیق الغماری ابو الفضل، مکتبۃ القاہرۃ،۲/۱۰۰

۲۰) سورۃ الاحزاب:۵

۲۱) الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب قولہ:اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ، ح:۴۷۸۲

۲۲) ایضاً، کتاب المغازی، ح:۵،۴۰۰۰/۳۱۴

۲۳) ایضاً، کتاب المحاربین من اھل الکفر والردۃ، ح:۸،۶۸۳۰/۲۳۴؛کتاب الفرائض، باب من ادعی الی غیر ابیہ، ح:۸،۶۷۶۸/۲۰۴

۲۴) ایضاً، کتاب الفرائض، باب من ادعی الی غیر ابیہ، ح:۶۷۶۶،۸/۲۰۴

۲۵) ایضاً، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب القسامۃ فی الجاھلیۃ، ح:۵،۳۸۵۰/۲۱۰

۲۶) الالبانی، محمد ناصر الدین،: صحیح سنن ابی داوٗد، ابواب النوم، باب فی الرجل ینتمی الی غیر موالیہ، ح:۴۲۶۸، مکتبۃ التربیۃ العربی لدول الخلیج، الریاض، ط:۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء،۳/۹۶۳

۲۷) سنن ابی داوٗد، کتاب الطلاق، باب التغلیظ فی الانتفاء، ح:۲،۲۲۶۳/۲۶۷؛
سنن النسائی، کتاب الطلاق، باب التغلیظ فی الانتفاء من الولد، ح:۵،۳۵۱۱/۳۵۶

۲۸) الشافعی، محمد بن ادریس، الامام،:احکام القرآن، بیروت، لبنان،۲/۱۹۰

۲۹) الجصاص، احمد بن علی، ابو بکر،:احکام القرآن، محقق،:محمد صادق القمحاوی، داراحیاء التراث العربی، بیروت،۳/۳۳۸

۳۰) السرخسی، محمد بن احمد بن ابی سہیل، ابو بکر:المبسوط، دارالمعرفۃ، بیروت، مسئلہ:۱۷،۲۰۰۹/۱۵۵

۳۱) ابن حزم، علی بن احمد بن سعید الاندلسی، ابو محمد،: المحلی بالآثار، محقق: احمد شاکر، بیروت، مسئلہ: ۱۰، ۲۰۰۹، ۱۴۲/۲

۳۲) الموسوعۃ الفقھیۃ، مطابع دار الصفوۃ، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیۃ، کویت، ۴۰/۷/۲۳۷

۳۳) نطفۃ امشاج کا تذکرہ اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہی—: اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ (الدھر: ۷۶/۲)

۳۴) مسلم، مسلم بن حجاج، القشیری، الامام،: الصحیح ومع شرحہ الکامل للنواوی، کتاب الحیض، باب بیان صفة منی الرجل و المرأة و ان الولد مخلوق من مائیھما(ح: ۳۱۱)، قدیمی کتب خانہ، مقابل آرام باغ، کراچی، ط: ۱، ۲/۱۴۶

۳۵) الجامع الصحیح، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، ح: ۳۹۳۸، ۵/ ۲۷۹

۳۶) الصحیح لمسلم (ح: ۳۱۴)، ۱/۱۴۶

۳۷) الجامع الصحیح، کتاب الطلاق، باب اذا عرض بنفي الولد، ح: ۵۳۰۵، ۷/ ۶۷

۳۸) الغزالی، محمد بن محمد بن محمد، ابو حامد،: المستصفى في علم الأصول، دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱/ ۱۷۴

۳۹) ایضاً

۴۰) الموافقات ۲/ ۵-۶

۴۱) المستصفى في علم الاصول: ۱/ ۲۹۰

۴۲) الموافقات ۲/ ۶

* * * * * * * * * * * * * * * * * * *